منصوص صفات جس شخص کو مستحق زکوٰۃ بناتی ہیں وہ شخص صاحب نصاب اور غنی ہوتے کے باوجود زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ اس سلسلے کی ایک حدیث اوپر نقل کی جا چکی ہے۔

آخر میں یہ امر بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ زکوٰۃ جماعت اسلامی کے بیت المال کا واحد ذریعۂ آمدنی نہیں ہے۔ جماعت کی آمد کے متعدد ذرائع ہیں، ان میں کتب و رسائل کی آمدنی بھی ہے۔ ارکان و متفقین کی خصوصی اعانتیں بھی ہیں اور عام اہل خیر کے عطیات بھی ہیں۔ اس لیے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ جماعت کے بالمعاوضہ کارکن اپنی تنخواہیں زکوٰۃ سے لے رہے ہیں یا جماعت کے دوسرے سارے کام زکوٰۃ کے بل پر چل رہے ہیں۔ اب تو بفضلہ یہ صورت ہے کہ متعدد بڑے بڑے شہروں میں خیراتی شفاخانے قائم ہیں اور زکوٰۃ و صدقات زیادہ تر ان پر صرف ہو رہے ہیں۔ بیت المال میں اگر زکوٰۃ آتی ہے تو اس کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا ہے اور اعانت فقراء و مساکین پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے اس کا بھی الگ حساب رکھا جاتا ہے۔ جماعت کے دیگر مصارف اتنے زیادہ ہیں کہ زکوٰۃ کی بقیہ رقم اگر ان میں خرچ ہو، تب بھی وہ ان مصارف کا ایک معمولی جزو بنتی ہے، اس لیے اس امر کا کوئی خدشہ باقی نہیں رہتا کہ زکوٰۃ اپنے صحیح مصرف میں خرچ نہ ہو۔

منصب تجدید اور وحی و کشف

سوال۔ رسالہ ترجمان القرآن بابت ماہ جنوری و فروری ۱۹۵۱ء کے صفحہ ۲۲۶ پر ایک سوال کے جواب کے دوران میں تحریر فرمایا گیا ہے کہ:

"پچھلے زمانہ کے بعض بزرگوں نے بلاشبہ اپنے متعلق کشف و الہام کے طریقہ سے خبر دی ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے مجدد ہیں۔ لیکن انہوں نے اس معنی میں کوئی دعویٰ نہیں کیا کہ ان کو مجدد تسلیم کرنا ضروری ہے اور جو ان کو نہ مانے وہ گمراہ ہے۔"

یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے تفہیمات الٰہیہ میں بڑے زور کے ساتھ یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا ہے کہ تو اس زمانہ کا

امام ہے۔ چاہیے کہ لوگ تیری پیروی کو ذریعۂ نجات سمجھیں۔ شاہ صاحب کی کتاب "تفہیمات"
کا اصل حوالہ مع ترجمہ درج ذیل ہے:۔

قد منّ الله سبحانه عليّ وعلى	اللہ تعالیٰ نے مجھ اور میرے زمانے کے لوگوں
اهل زماني بان منحني طريقا من	پر یہ احسان کیا کہ اس نے مجھے ایک ایسا طریقہ
السلوك هي اقرب الطرق وهي مركبة	سلوک عطا کیا ہے کہ جو سب طریقوں سے قریب تر
من خمس اقربات اعني الايمان	ہے اور اس میں پانچ قسم کے قرب کے ذریعے ہیں۔
الحقيقيّ وقرب النوافل وقرب	یعنی ایک تو ایمان حقیقی کا، دوسرا قرب نوافل،
الوجوب وقرب الفرائض وقرب	تیسرا قرب وجوب، چوتھا قرب فرائض اور
الملكوت وجعل هذه الطريقة	پانچواں قرب ملکوت۔ اور اس کو ایسا عمدہ
غاية من ارادها اتاه الله تعالى۔	غایت بنایا ہے کہ جو کوئی اس کا ارادہ کرے گا
فهمني ربي جل جلاله انّا	وہ مراد کو پہنچے گا۔ اور میرے رب نے مجھے مطلع
جعلناك امام هذه الطريقة و	فرمایا ہے کہ ہم نے تجھے اس طریقہ کا امام مقرر
اوصلناك ذروة سنامها وسددنا	کیا ہے اور اس کی اعلیٰ بلندی پر پہنچایا ہے اور
طُرُق الوصول الى الحقيقة القرب	ہم نے آج کے روز سے باقی سب طریقوں کو
كُلّها اليوم غير طريقة واحدة و	حقیقت قرب تک پہنچنے سے مسدود کر دیا ہے
هو محبّتك والانقياد لك فالسماء	بجز اس طریقے کے جو تجھے دیا گیا اور وہ ایک ہی
ليس على من عاداك بسماء وليست	طریقہ ہے جو کھلا رکھا گیا۔ لوگوں کو چاہیے کہ تجھ
الارض عليه بارض فاهل المغرب	سے محبت کریں اور تیری فرمانبرداری کو ذریعۂ نجات
واهل المشرق كلهم رعيّتك و	سمجھیں۔ اور ایسے آسمانی برکات اس شخص پر نہیں
انت سلطانهم علموا او لم يعلموا	ہونگی جو تیرے ساتھ عداوت اور بغض رکھے گا اور
فان علموا فازوا وان جهلوا	نہ وہ ارضی برکات کا مورد ہوگا اور مغرب اور

خَابُوْا ۔ (غسل مصفیٰ ۔ جلد اول صفحہ ۲۴-۱۲۳) مشرق کے لوگ تیری رعیت کر دیے گئے ہیں۔ اور تو ان کا بادشاہ مقرر کیا گیا ہے، خواہ وہ لوگ تیری حقیقت سے واقف ہوں یا نہ ہوں۔ اگر واقف ہونگے تو فائز المرام ہونگے اور اگر بے خبر رہیں گے تو خسارہ اور ٹوٹا پائیں گے ۔

کیا جناب شاہ صاحب کا یہ دعویٰ درست تھا یا نہیں؟ اگر ان کا دعویٰ درست تھا تو پھر "ترجمان" کی مذکورہ بالا عبارت درست نہیں ہے ۔

اس عبارت کے بعد "ترجمان" میں لکھا گیا ہے کہ :

"دعویٰ کرکے اس کے ماننے کی دعوت دینا اور اسے منوانے کی کوشش کرنا سرے سے کسی مجدد کا منصب ہی نہیں۔"

نیز یہ کہ :۔

"جو شخص یہ حرکت کرتا ہے وہ خود اپنے اس فعل ہی سے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ فی الواقع مجدد نہیں۔"

اِن ارشادات کی بنیاد قرآنِ کریم ہے یا احادیثِ نبویہ، یا اپنے اجتہاد کی بنا پر یہ فتویٰ دیا گیا ہے ؛

رسالہ مذکورہ کے اسی صفحہ پر فقرہ ۶ کے ماتحت لکھا گیا ہے کہ :۔

"کشف و الہام وحی کی طرح کوئی یقینی چیز نہیں۔ اس میں وہ کیفیت نہیں ہوتی کہ صاحبِ کشف و الہام کو آفتابِ روشن کی طرح یہ معلوم ہو کہ یہ کشف و الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے۔"

اگر امتِ محمدیہ کے کاملین کے الہام و کشوف کی یہ حقیقت ہے تو پھر ان کے خیرِ امت ہونے کی حالت معلوم شد۔ حالانکہ پہلی امتوں میں عورتیں وحیِ یقینی سے مشرف ہوتی رہی ہیں۔ اور خدا کے ایسے بندے بھی ہوتے رہے ہیں کہ جن کے کشف و الہام کا یہ عالم تھا کہ ایک اولوالعزم نبی

تو بھی سوال کر کے ندامت اٹھانی پڑی۔

مگر سبحان اللہ! امتِ محمدیہ کے کاملین کے کشوف والہام عجیب قسم کے تھے کہ ان کو خود بھی یقین نہ تھا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں یا نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کو ان کو اس قسم کے الہامات وکشوف دکھانے کی ضرورت کیا پڑ گئی جن سے نہ کوئی دینی فائدہ متصور تھا اور نہ ہی صاحبِ کشف والہام کے لیے وہ موجبِ ازدیادِ ایمان۔ بلکہ الٹا موجبِ تردد ہونے کے سبب ایک قسم کی مصیبت تھے۔

جواب۔ آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وحی والہام کے مختلف مفہومات کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ ایک قسم کی وحی وہ ہے جسے وحی جبلّی یا طبیعی کہا جا سکتا ہے، جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کو اس کے کرنے کا کام سکھاتا ہے۔ یہ وحی انسانوں سے بڑھ کر جانوروں پر اور شاید ان سے بھی بڑھ کر نباتات وجمادات پر ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جسے وحیِ جزئی کہا جا سکتا ہے، جس کے ذریعے کسی خاص موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو امورِ زندگی میں سے کسی امر کے متعلق کوئی علم، یا کوئی ہدایت دیتا ہے یا کوئی تدبیر سُجھا دیتا ہے۔ یہ وحی آئے دن عام انسانوں پر ہوتی رہتی ہے۔ دنیا میں بڑی بڑی ایجادیں اسی وحی کی بدولت ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے اہم علمی انکشافات اسی وحی کے ذریعے ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے اہم تاریخی واقعات میں اسی وحی کی کارفرمائی نظر آتی ہے ــــ جبکہ کسی شخص کو کسی اہم موقع پر کوئی خاص تدبیر بلا غور وفکر اچانک سُوجھ گئی اور اُس نے تاریخ کی رفتار پر ایک فیصلہ کن اثر ڈال دیا۔ ایسی ہی وحی حضرت موسیٰ کی والدہ پر بھی ہوئی تھی۔ ان دونوں قسم کی وحیوں سے بالکل مختلف نوعیت کی وحی وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو حقائقِ غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے اور اسے نظامِ زندگی کے متعلق ہدایت بخشتا ہے تاکہ وہ اس علم اور اس ہدایت کو عام انسانوں تک پہنچائے اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ یہ وحی انبیاء کے لیے خاص ہے۔ قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نوعیت کا علم، خواہ اس کا نام القاء رکھیے، الہام رکھیے، کشف رکھیے، یا اصطلاحاً اسے وحی سے تعبیر کیجیے، انبیاء ورسل کے سوا کسی کو نہیں دیا جاتا۔ اور یہ علم صرف انبیاء ہی کو اس

طور پر دیا جاتا ہے کہ انہیں اس کے من جانب اللہ ہونے، اور شیطان کی دراندازی سے بالکل محفوظ ہونے اور خود اپنے ذاتی خیالات، تصورات اور خواہشات کی آلائشوں سے بھی پاک ہونے کا پورا یقین ہوتا ہے نیز یہی علم حجتِ شرعی ہے، اس کی پابندی ہر انسان پر فرض ہے اور اس کو دوسرے انسانوں تک پہنچاتے اور اس پر ایمان کی دعوت سب بندگانِ خدا کو دینے پر انبیا علیہم السلام مامور ہوتے ہیں۔ اور پھر یہی وہ وحی ہے کہ جس پر ایمان لانا لازمۂ نجات اور جس سے روگردانی کرنا قطعی طور پر موجب خسران ہوتا ہے۔

انبیاء کے سوا دوسرے انسانوں کو اگر اس تیسری قسم کے علم کا کوئی جز نصیب بھی ہوتا ہے تو وہ ایسے دھندلے اشارے کی حد تک ہوتا ہے جسے ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے وحیٔ نبوت کی روشنی سے مدد لینا (یعنی کتاب و سنت پر پیش کر کے اس کی صحت و عدم صحت کو جانچنا اور بصورتِ صحت اس کا منشا متعین کرنا) ضروری ہے۔ جو شخص اپنے الہام کو ایک مستقل بالذات ذریعۂ ہدایت سمجھے اور وحیٔ نبوت کی کسوٹی پر اس کو پرکھے بغیر اس پر خود عمل کرے اور دوسروں کو اس کی پیروی کی دعوت دے، اس کے ایسے طرزِ عمل کو از روئے شریعت کوئی سندِ جواز نہیں دی جا سکتی۔ قرآن میں اس حقیقت کو متعدد مقامات پر صاف صاف بیان کیا گیا ہے، خصوصاً سورۂ جن کی آخری آیات میں تو اسے بالکل ہی کھول کر فرما دیا گیا ہے کہ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا۔

اگر ہم غور کریں تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ امت کے صالح و مصلح آدمیوں کو نبی کا سا کشف و الہام نہ دینے اور اس سے کم تر ایک طرح کا تابعانہ کشف و الہام دینے میں کیا مصلحت ہے۔ پہلی چیز عطا نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی چیز نبی اور امتی کے درمیان بنائے فرق ہے، اسے دور کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسری چیز دینے کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ نبی کے بعد اس کے کام کو جاری رکھنے کی کوشش کریں وہ اس بات کے محتاج ہوتے ہیں کہ دین میں ان کو حکیمانہ بصیرت اور اقامتِ دین کی سعی میں ان کو صحیح رہنمائی اللہ کی طرف سے حاصل ہو۔ یہ چیز غیر شعوری طور پر تو ہر مخلص اور صحیح الفکر

خادمِ دین کو بخشی جاتی ہے، لیکن اگر کسی کو شعوری طور پر بھی دے دی جائے تو یہ اللہ کا انعام ہے۔

قرآن کی رُو سے یہ حیثیت صرف ایک نبی ہی کو حاصل ہوتی ہے کہ وہ امرِ تشریعی سے مامور من اللہ ہوتا ہے اور خلق کو یہ دعوت دینے کا مجاز ہوتا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی اطاعت کریں، حتیٰ کہ جو اس پر ایمان نہ لائے وہ خدا کو ماننے کے باوجود کافر ہوتا ہے۔ یہ حیثیت نبی کے سوا کسی کو بھی نظامِ دین میں حاصل نہیں ہے۔ اگر کوئی اس حیثیت کا مدعی ہو تو ثبوت اُسے پیش کرنا چاہیے۔ نہ کہ ہم اس کے دعویٰ کی نفی کا ثبوت پیش کریں۔ وہ بتلائے کہ قرآن و حدیث میں کہاں نبی کے سوا کسی کا یہ منصب مقرر کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اُس منصب پر مامور کیے جانے کا دعوےٰ کرے اور اپنے اس دعوے کو ماننے کی لوگوں کو دعوت دے اور جو اس کا دعویٰ تسلیم نہ کرے وہ مجرد اس بناء پر کافر اور جہنمی ہو کہ اُس نے مدعی کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کیا؟

اگر کوئی شخص حدیث "من یجدد لہا دینہا" کا حوالہ دے، یا ان احادیث کو پیش کرے جو مہدی کی آمد کے متعلق ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اِن میں کہیں بھی مجدد یا مہدی کے منصب کی وہ حیثیت بیان نہیں کی گئی ہے جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ آخر ان میں کہاں یہ لکھا ہے کہ یہ لوگ اپنے مجدد اور مہدی ہونے کا دعویٰ کریں گے، اور جو ان کے دعوے کو مانے گا وہی مسلمان رہے گا، باقی سب کافر ہو جائیں گے؟

یہاں یہ بحث چھیڑنا بھی غلط مبحث ہے کہ جو شخص تجدید و احیاءِ دین اور اقامتِ دین کا برحق کام کر رہا ہو اس کا ساتھ نہ دینا یا اس کی مخالفت کرنا کس طرح موجبِ نجات ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس طرح کا کام جہاں اور جب بھی ہوتا ہے وہ فارق بین الحق والباطل بن جاتا ہے اور آدمی کے حق پرست ہونے کی پہچان یہی ہوتی ہے کہ وہ ایسے کام کا ساتھ دے۔ لیکن اس فرق و امتیاز کی بنیاد دراصل یہ ہوتی ہے کہ دین کی تجدید و اقامت میں سعی کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، نہ یہ کہ کسی مدعی کے دعوے کو ماننا ایمان کا تقاضا ہوتا ہے اور مجرد اس بنا پر ایک مسلمان نجات سے محروم ہو جاتا ہے کہ اس نے ایک شخص کے دعوائے مجددیت یا مہدویت کو نہیں مانا۔

اب شاہ ولی اللہ صاحب اور مجدد سرہندی رحمہما اللہ کے دعووں کو لیجیے۔ ان دونوں بزرگوں کے تجدیدی اور اصلاحی کارناموں کے اعتراف کے باوجود یہ کہے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان کا اپنے مجدد ہونے کی خود تصریح کرنا اور بار بار کشف و الہام کے حوالہ سے اپنی باتوں کو پیش کرنا اُن کے شایانِ شان نہ تھا۔ اُن کے اسی ادعائے بعد کے بہت سے کم ظرفوں کو طرح طرح کے دعوے کرنے اور امت میں نت نئے فتنے اٹھانے کی جرأت دلائی۔ کوئی شخص اگر تجدید کے لیے کسی قسم کی خدمت انجام دینے کی توفیق پاتا ہو تو اسے چاہیے کہ خدمت انجام دے اور یہ فیصلہ اللہ پر چھوڑے کہ اس کا کیا مقام اس کے ہاں قرار پاتا ہے۔ آدمی کا اصل مقام وہ ہے جو آخرت میں اس کی نیت و عمل کو دیکھ کر اور اپنے فضل سے اس کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ اسے دے، نہ کہ وہ جس کا وہ خود دعویٰ کرے یا لوگ اسے دیں۔ اپنے لیے خود القاب و خطابات تجویز کرنا اور دعووں کے ساتھ انہیں بیان کرنا اور اپنے مقامات کا ذکر زبان پر لانا کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ بعد کے ادوار میں صوفیانہ ذوق نے تو اسے اتنا گوارا کیا کہ خوشگوار بنا دیا۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے لوگوں کو بھی اس فعل میں کوئی قباحت محسوس نہ ہوئی، مگر صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین کے دور میں یہ چیز بالکل ناپید نظر آتی ہے۔

ہم شاہ صاحب اور مجدد صاحب کے کام کی بے حد قدر کرتے ہیں، اور ہمارے دل میں ان کی عزت ان کے کسی معتقد سے کم نہیں ہے، مگر ان کے جن کاموں پر ہمیں کبھی شرحِ صدر حاصل نہیں ہوا ان میں سے ایک یہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ان کی کسی بات کو بھی اس بنا پر کبھی نہیں مانا کہ وہ اسے کشف یا الہام کی بنا پر فرما رہے ہیں، بلکہ جو بات بھی مانی ہے اس وجہ سے مانی ہے کہ اس کی دلیل مضبوط ہے، یا بات بجائے خود معقول و منقول کے لحاظ سے درست معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم نے جو اُن کو مجدد مانا ہے تو یہ ایک رائے ہے جو ان کا کام دیکھ کر ہم نے قائم کی ہے، نہ کہ ایک عقیدہ ہے جو ان کے دعووں کی بنا پر اختیار کر لیا گیا ہے۔